(قسط نمبر ۲)

اسلام کا مالیاتی نظام

زکوٰۃ کی ادائیگی اور وصولی کا مسئلہ

☆ محمد یوسف گورایہ

"خیر القرون" میں، جو اسلامی تاریخ کا بہترین دور ہے، زکوٰۃ پر دوسری بڑی آزمائش اس وقت آئی، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثالث کی شہادت کے بعد مسلمان حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی حمایت میں دو گروہوں میں بٹ گئے۔ اس سیاسی عدم استحکام اور داخلی خلفشار کی وجہ سے یہ سوال پیدا ہوا کہ زکوٰۃ کس کو ادا کی جائے۔ یہ مسئلہ اہل حجاز کے لئے خاص طور پر پیچیدہ تھا کیونکہ وہ اس سیاسی کش مکش میں کسی حد تک غیر جانب دار تھے، چنانچہ اہلِ مدینہ خصوصاً انصار نے اس دور کی سب سے بڑی علمی شخصیت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے، اس بارے میں استفسار کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جو مسئلے کی نزاکت اور اہمیت سے پوری طرح آگاہ تھے، بڑی سوچ بچار اور ذمہ داری کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ سیاسی حالات خواہ کچھ ہوں اور مسلمانوں کی حکومت خواہ کیسے ہاتھوں میں ہو، زکوٰۃ بہرحال حکومت کو ادا کی جائے گی، اور کتاب اللہ، سنّت رسول اللہؐ اور عملِ خلفاء ثلاثہ کی تعلیمات کا آخری اور اٹل قانون یہی ہے کہ مسلمانوں کی حکومت کی موجودگی میں زکوٰۃ کا وہ حکم اور اللہ تعالیٰ کا وہ مالی مطالبہ جو زکوٰۃ کے نام پر کیا گیا ہے۔ صرف اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے، جب کہ اُسے حکومت کو ادا کیا جائے۔

چنانچہ اس وقت کے تمام جلیل القدر صحابہ کرام کا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس فیصلے پر اجماع تھا۔ اور غیر جانب دار صحابہ نے، جن میں حضرات سعد بن ابی وقاصؓ، ابوہریرہؓ، ابو سعید خدری وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں، نظام زکوٰۃ کو انتشار سے بچانے، اسے اللہ اور رسول صلعم کی مرضی و منشا کے مطابق ادا کرنے اور نظام زکوٰۃ پر اس دوسری بڑی آزمائش میں اسے حکومت کا حق ثابت کرنے کے لئے اس وقت وہی کردار ادا کیا، جو پہلی آزمائش کے وقت خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ادا کیا تھا۔ زکوٰۃ کی ادائیگی محض حکومت کا حق ثابت کرنے اور اس سے انحراف کے خلاف ان حضرات صحابہ کرامؓ

نے باقاعدہ ایک مہم چلائی ۔ اس کے لئے زبردست دلائل فراہم کئے ۔ اور یہ ثابت کیا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی صرف اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ اسے حکومت وصول کرے ۔ حکومت کے علاوہ جو بھی زکوٰۃ وصول کرے نہ تو ادا کرنے والے کی زکوٰۃ ادا ہوئی اور نہ وصول کرنے والا حکومت کا وفادار رہا ، بلکہ حکومت کے علاوہ زکوٰۃ ادا کرنے والا اور اُسے وصول کرنے والا دونوں مسلمانوں کی حکومت کے باغی قرار پائے اور حکومت کا فرض ہے کہ ایسے باغیوں کے خلاف جہاد کا اعلان کرے ۔ صحابہ کرامؓ نے جس جرأت اور استقامت سے اس دوسرے فتنے کا مقابلہ کیا ، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بات متفقہ طور پر تسلیم کر لی گئی کہ سیاسی حالات خواہ کچھ ہوں ، زکوٰۃ کی وصولی محض اور محض حکومت کا حق ہے ۔

صحابہ کرامؓ کے اس متفقہ فیصلے کے بعد اہلِ حجاز کو عملی دشواری اب یہ پیش آ رہی تھی کہ حجاز پر کبھی تو حامیانِ معاویہؓ کا غلبہ ہو جاتا ہے ۔ اور کبھی حامیانِ علیؓ کا ، اور ایسی صورت میں زکوٰۃ کس حکومت کو ادا کی جائے ۔ اب یہ صورتِ حال اتنی مشکل اور پیچیدہ تھی کہ اس سے نبٹنا آسان نہ تھا ، اس لئے کہ دونوں حکومتیں ایک دوسرے کی نظر میں باغی تھیں ۔ حامیانِ علیؓ سمجھتے تھے کہ حامیانِ معاویہؓ باغی ہیں ۔ اس لئے کہ اُنہوں نے خلیفہ راشد کے خلاف بغاوت کر رکھی ہے ۔ اور حامیانِ معاویہؓ سمجھتے تھے کہ حامیانِ علیؓ باغی ہیں اس لئے کہ اُنہوں نے خلیفہ راشد کو حرمِ مدینہ میں شہید کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا ہے ۔ اب ایسی حکومتوں میں سے کسی ایک کو زکوٰۃ ادا کرنے کا مسئلہ بہت پیچیدہ تھا ۔ مزید برآں زکوٰۃ اہلِ شام کو دی جاتی یا اہلِ عراق کو ، اہلِ حجاز کو اپنی اداشدہ زکوٰۃ کے عوض حجاز کے رفاہِ عامہ کے کام اور وہاں کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے انتظامات پر اس زکوٰۃ کے خرچ ہونے کا بہت کم امکان تھا ۔ کیونکہ دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی خاطر قدرتی طور پر اپنے جانب دار مراکز کا خاص طور پر خیال رکھنے پر مجبور تھیں ، ان تمام مشکلات اور علاقائی مفادات کے باوجود اہلِ حجاز اس بات پر رضامند نہ ہوئے کہ کتاب اللہ ، سنّتِ رسول اللہؐ اور عملِ خلفائے ثلاثہ کی تعلیمات کو پسِ پُشت ڈال دیں ، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا صاف اور سیدھا جواب یہ تھا کہ " جو غالب آ جائے ، اُسے زکوٰۃ دے دو " (ابو عبید ، کتاب الاموال ج ۲ ص ۲۴۹) ۔

جب یہی صورتِ حال کسی دوسرے موقع پر حضرات سعد بن ابی وقاصؓ ، ابو ہریرہؓ ، ابو سعید خدریؓ اور عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے پیش کی گئی اور ایک سوال کی صورت میں اس طرح پوچھا

گیا، "یہ حکمران تو وہ کچھ کر رہے ہیں، جو تم دیکھ رہے ہو، کیا اس پر بھی ہم اپنی زکوٰۃ انہیں کو دیں؟" تو اسلام کے ان جلیل القدر صحابہ ماہرینِ قانون کا متفقہ فیصلہ یہی تھا: "زکوٰۃ انہی کو دو"۔ صحابہ کرامؓ کے اس متفقہ فیصلے کے بعد اکثر لوگوں کے ذہنوں میں حکمرانوں کی نیت اور اعمال پر اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے یہ سوال بار بار پیدا ہوتا تھا کہ حکمران زکوٰۃ کو صحیح طور پر استعمال میں نہ لائیں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس سوال کے جواب میں مختلف مواقع پر جس اصرار اور استقامت کے ساتھ زکوٰۃ کی وصولی کو حکومت کا حق قرار دیا اور اس کی اجتماعی اہمیت کی جو بار بار وضاحت کی وہ نظامِ زکوٰۃ کی تاریخ میں ایک نہایت اہم مقام رکھتی ہے۔

ایک دفعہ ربیع بن معبد کے اس سوال کے جواب میں کہ فتنہ کے زمانے میں اپنے زیرِ نگرانی یتیموں کے مال کی زکوٰۃ اپنے ضرورت مند چچازاد بھائیوں کو دے دوں؟ تو آپؓ نے فرمایا: "زکوٰۃ صرف حکومت کا حق ہے۔ اُسے اہلِ حکومت کے حوالے کر دو" (ابو عبید ج ۲ ص ۳۴۳)، اس سوال کے جواب میں کہ اہلِ حکومت زکوٰۃ کو صحیح جگہوں پر خرچ نہیں کرتے تو آپؓ نے فرمایا: خواہ کچھ بھی ہو، خواہ وہ ایسا ہی کریں، خواہ زکوٰۃ کے ذریعے وہ اپنے دسترخوان پر کتوں کا گوشت بانٹیں۔ اس سے کپڑے اور خوشبوئیں خریدیں۔ زکوٰۃ حکومت ہی کو ادا کرو۔ اور مزید فرمایا: زکوٰۃ ہر حالت میں حکومت کو ادا کی جائے گی، رہ گیا ان کے ذاتی اعمال کا مسئلہ تو جو نیکی کرے گا، وہ اپنے بھلے کے لئے، اور جو گناہ کرے گا، وہ اپنے بُرے کے لئے۔

چنانچہ حضرات سعد بن ابی وقاص، ابوہریرہ، ابو سعید خدری اور عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین، نظامِ زکوٰۃ میں انتشار کے راستے میں ایک دیوار بن کر کھڑے ہو گئے اور اپنی استقامت، جرأتِ ایمانی اور پامردی سے فتنے کے اس دور میں نظامِ زکوٰۃ کو حکومت کی بجائے افراد، اداروں اور جماعتوں کے قبضے میں جانے سے بچا لیا، اور سیاسی عدمِ استحکام، اندرونی بدنظمی اور داخلی خلفشار کے اس نازک ترین دور میں اللہ اور رسولؐ کے منشا کے مطابق زکوٰۃ کو صرف حکومت کو ادا کرنے کے بارے میں پوری پوری جرأت، حوصلہ مندی اور اسلام فہمی کا ثبوت دے کر ثابت کر دیا کہ زکوٰۃ کی وصولی صرف مسلمانوں کی حکومت کا حق ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اُسے عطا کیا ہے اور مسلمانوں کی حکومت کا یہ حق حکمرانوں کی ذاتی بے اعتدالیوں کی وجہ سے ساقط نہیں ہو سکتا۔

مندرجہ بالا بحث سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے:۔

۱۔ عہدِ رسالت میں زکوٰۃ کے تفصیلی مصارف والی سورۃ التوبہ کی آیت (۹: ۶۰) کے نزول کے بعد انفاق فی سبیل اللہ، صدقات، خیرات وغیرہ، رضاکارانہ اور انفرادی ترغیبات پر مبنی نظام اپنی تدریجی

منازل طے کر کے ایک جامع اور مفصل نظامِ زکوٰۃ کی صورت میں قانونی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

۲۔ عہدِ رسالت میں نظامِ زکوٰۃ قائم ہو جانے کے بعد جب تک صاحبِ نصاب مسلمان زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت حکومت کا یہ قانونی حق حکومت کو ادا نہ کر دے، اس وقت تک قرآنِ حکیم کا یہ مطالبہ مسلسل اس پر قائم رہے گا: و اٰتوا الزکوٰۃ۔ "زکوٰۃ ادا کرو"۔ خواہ وہ شخص اس خاص مطالبے کے علاوہ اپنی دولت کا کتنا بڑا حصہ فی سبیل اللہ، رضاکارانہ اور انفرادی طور پر، رفاہی اور بہبود کے کاموں پر کیوں نہ خرچ کر ڈالے۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب بعض مسلمان عرب قبائل نے زکوٰۃ کے علاوہ باقی ارکانِ دین اسی طرح ادا کرنے کا یقین دلا کر، جس طرح کہ وہ ارکانِ دین آنحضرت صلعم کے آخری دور میں ادا کرتے تھے، زکوٰۃ میں ترمیم کرنی چاہی اور زکوٰۃ کا نظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا، تو خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مہاجرین و انصار نے متفقہ طور پر ایسے مسلمانوں کو حکومت کا باغی قرار دیا۔ اور ان کے خلاف جہاد اسی طرح فرض قرار دیا جس طرح دشمنانِ اسلام، مشرکینِ عرب اور یہود و نصاریٰ عراق و شام کے خلاف۔ اور جب تک زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے باغیوں نے زکوٰۃ حکومت کو ادا کرنے کا دوبارہ عہد نہ کر لیا، یہ جہاد مسلسل جاری رہا۔

۴۔ خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ اور دوسرے مہاجرین و انصار کے اس متفقہ اور اجماعی فیصلے کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومت کی موجودگی میں زکوٰۃ حکومت کو ادا کئے بغیر اللہ کے اس حکم کی تعمیل ممکن نہیں، و اٰتوا الزکوٰۃ اور حکومت کی موجودگی میں جو افراد یا جماعتیں انفرادی طور پر زکوٰۃ جمع و خرچ کریں گی، وہ مسلمانوں کی حکومت کی باغی قرار دی جائیں گی۔ خواہ ان افراد یا جماعتوں یا انجمنوں کی نیتیں کتنی نیک، ان کے ارادے کتنے اچھے اور ان کے پروگرام کتنے ہی عمدہ کیوں نہ ہوں۔

۵۔ صحابہ کرامؓ کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ حکمرانوں کی بے اعتدالیاں زکوٰۃ حکومت کو ادا کرنے کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتیں۔ صحابہ کرام کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ زکوٰۃ کا ہر حال میں حکومت کی موجودگی میں حکومت کو ادا کرنا قرآنی حکم ہے۔ یہ ایک بالکل علیحدہ اور مستقل فی الذات حکم ہے۔ اور حکمرانوں کی بے اعتدالی ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ اس لئے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

۶۔ نظامِ زکوٰۃ کے دو اہم ترین پہلو ——— مسلمانوں کی حکومت کی موجودگی میں زکوٰۃ کی ادائیگی صرف حکومت کو ادا کرنے سے ہی ہو گی، اور حکمرانوں کی بے اعتدالی زکوٰۃ کی ادائیگی میں حائل نہیں ہو گی ——— ایسے ہیں جن

کا فیصلہ صحابہ کرامؓ نے قرآن اور سنتِ رسولؐ کی روشنی میں انتہائی قطعیت کے ساتھ کر دیا جس میں کسی ابہام کی گنجائش باقی نہیں ہی۔

اس بحث اور اس کے نتائج پر غور کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جیسے نماز اپنے تدریجی مراحل طے کرنے کے بعد جب آخری شکل میں جماعت کے ساتھ فرض ہو گئی تو کسی مسلمان کو نماز با جماعت کی موجودگی میں انفرادی طور پر نفل نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں۔ اُسے بہرحال نفل نماز کو چھوڑ کر پہلے فرض کی ادائیگی کرنا ہو گی اور فرض کے ترک کی صورت میں ہزار ہا نوافل بھی فرض کا بدل نہیں ہو سکتے، ایسے ہی مسلمانوں کی حکومت کی موجودگی میں زکوٰۃ کی ادائیگی صرف اسی صورت میں ہو گی کہ زکوٰۃ صرف حکومت کو ادا کی جائے، اور زکوٰۃ حکومت کو ادا کرنے کی بجائے جو کچھ بھی اپنے طور پر کار خیر میں خرچ کیا جائے، وہ تطوعاً صدقہ وخیرات تو ہو سکتا ہے لیکن زکوٰۃ کے فریضے کا بدل ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جس طرح مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ نماز کی امامت کے لئے اپنے میں سے بہترین آدمی کو امام بنائیں اور اگر امام بعض افراد کی پسند کا نہ ہو تو جب تک سب مل کر اُسے باقاعدہ ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا امام مقرر نہ کریں، سب مسلمان اس امام کی امامت میں نماز ادا کریں گے، اسی طرح زکوٰۃ اہلِ حکومت کو ادا کرنا فرض ہے۔ جس قسم کی حکومت ہو گی، زکوٰۃ اُسے ادا کی جائے گی۔ اب اگر بعض افراد اہلِ حکومت کو پسند نہیں کرتے تو جب تک وہ آئینی وجمہوری طرز پر یا انقلاب کے ذریعے حکومت کو بدل نہیں دیتے، زکوٰۃ حکومت کو ادا کرتے رہیں گے۔

خلفاء راشدین کی سرکردگی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس اجماع کا اثر یہ ہوا کہ عہدِ خلافتِ بنی امیہ اور عہدِ خلافتِ بنی عباس میں باوجود حکمرانوں کی بے اعتدالیوں کے زکوٰۃ ہمیشہ حکومت کو ادا کی جاتی رہی۔ اور صحابہ کرامؓ کا یہ متفقہ فیصلہ صدہا سال تک مسلمانانِ عالم کے لئے ایک الٰہی دستور کی حیثیت سے ہر اس سرزمین پر نافذ رہا جہاں کہیں بھی مسلمانوں کی ادنیٰ سے ادنیٰ حکومت سے لے کر عظیم الشان سلطنتوں تک حکمرانی رہی۔ خراج واموال کے موضوع پر امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج سے لے کر جتنی کتابیں بھی تصنیف ہوئیں، جن میں ان آمدنیوں کی تاریخ اور بیان موجود ہے، جو مسلمانوں کی حکومت کے بیت المال میں جمع ہوتی تھیں، ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی آمدنی بیت المال کی آمدنیوں میں مسلسل ایک انتہائی اہم اور بہت بڑی آمدنی کی حیثیت سے بیت المال میں باقاعدگی کے ساتھ جمع ہوتی رہی، وثوق کے ساتھ یہ کہنا کہ زکوٰۃ کب سے غیر اسلامی طریقہ پر انفرادی طور پر جمع وخرچ ہونے لگی، بے حد مشکل ہے لیکن ایک محتاط اندازے کے مطابق زوالِ بغداد کے جب وسیع پیمانے پر مسلمانوں کا سیاسی شیرازہ منتشر ہوا، اور تاریخِ اسلام میں سب سے پہلی دفعہ مسلمانوں پر چنگیز و ہلاکو وغیرہ کی ایک غیر مسلم حکومت مسلط ہوئی، تو اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے لئے ایک کافر حکمران کو زکوٰۃ نہ دینے کا جواز پیدا ہوا ہو گا۔ اس کے بعد نظامِ زکوٰۃ کا شیرازہ کچھ اس طرح منتشر ہوا کہ اب تک دوبارہ مجتمع نہ ہو سکا۔ صدیاں گزرنے کے بعد مملکتِ پاکستان پھر سے اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنے والی حکومت نظامِ زکوٰۃ کو اس کا اصل مقام دلانے میں کس حد تک کامیاب ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کے سلسلے میں حکومت کی ذمہ داریاں

اسلام جن خصوصیات کی بنا پر دوسرے مذاہبِ عالم پر فوقیت رکھتا ہے، نظامِ زکوٰۃ ان میں سے ایک ہے۔ ہر مذہب نے اپنے ماننے والوں کو کسی نہ کسی طور پر یہ ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کی دیکھ بھال اور فلاح و بہبود کے لئے کچھ نہ کچھ خرچ کرتے رہیں۔ اس سلسلے میں اسلام کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ایک طرف تو اس مالی مطالبے کو اللہ کی طرف سے فریضہ قرار دیا اور دوسری طرف اسے صرف رضاکارانہ صدقات و خیرات کی حیثیت ہی میں نہیں رہنے دیا بلکہ اسے باقاعدہ ایک مالی نظام کی شکل دے کر اس کی وصولی اور انتظام کا کام مسلمانوں کی حکومت پر بطور فرض عائد کیا ہے۔

اسلام نے جہاں حکومت اور اہلِ حکومت کو اتنے وسیع حقوق و اختیارات دیئے ہیں کہ زکوٰۃ جیسے مالی فریضے کی ادائیگی کو حکومت کی وصولی کے ساتھ مشروط کر دیا، وہاں حکومت پر یہ ذمہ داری ایک فرض کی طرح عائد کی کہ وہ مسلمانوں کی تمام بنیادی ضروریاتِ زندگی کا انتظام کرے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی جس آیتِ کریمہ نے زکوٰۃ کی ادائیگی کو "فریضۃً من اللہ"۔ اللہ کی طرف سے فریضہ قرار دیا ہے، اُسی آیت نے حکومت کی اُن ذمہ داریوں کا بطور فرض تعین کیا ہے، جو زکوٰۃ کی وصولی کے بعد عامۃ المسلمین کی طرف سے اُس پر عائد ہوتی ہیں۔ لیکن حقوق و فرائض کے اس بیان میں جو بات سب سے زیادہ اہم اور قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ عوام و حکومت دونوں کی ایک دوسرے پر ذمہ داریاں "فریضۃً من اللہ" اللہ کی طرف سے فریضہ قرار دی گئی ہیں۔ یعنی جس طرح صاحبِ نصاب مسلمانوں پر اللہ کی طرف سے یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے حکومت کو زکوٰۃ ادا کریں، اسی طرح حکومت پر بھی اللہ کی طرف سے یہ فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ ان فرائض اور ذمہ داریوں کو ایک فریضہ کی حیثیت سے پورا کرے جو اس پر مسلمانوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے عائد کی ہیں۔ زکوٰۃ کے سلسلہ میں ہماری معلومات کی حد تک ہمیشہ اس بات پر زور دیا جاتا رہا ہے کہ مسلمان زکوٰۃ کو ایک فریضہ کے طور پر ادا کریں۔ لیکن نظامِ زکوٰۃ کے اس پہلو پر بہت کم دھیان دیا گیا کہ "فریضۃً من اللہ" کا اطلاق حکومت پر بھی اسی طرح ہوتا ہے، جس طرح عامۃ المسلمین پر۔

پچھلے مضمون میں ہم نے حکومت کے حقوق اور عامۃ المسلمین کے فرائض کا جائزہ لیا تھا۔ اب حکومت کے فرائض اور عامۃ المسلمین کے حقوق کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ سورہ التوبہ کی ساٹھویں آیت میں ان فرائض

کی تفصیل بیان کی گئی ہے جو زکوٰۃ کی وصولی کے بعد حکومت پر عائد ہوتے ہیں:۔

انما الصدقات للفقرآء والمسکین والعٰملین علیھا والمؤلّفۃ قلوبھم وفی الرّقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل ط فریضۃً من اللہ ط واللہ علیم حکیم ۔ (۹ ۔ ۶۰)

صدقہ کا مال (یعنی مال زکوٰۃ) تو اور کسی کے لئے نہیں ہے۔ صرف فقیروں کے لئے ہے۔ اور مسکینوں کے لئے ہے۔ اور اُن کے لئے، جو اُس کی وصولی کے کام پر مقرر کئے جائیں۔ اور وہ، کہ اُن کے دلوں میں (کلمۂ حق کی) اُلفت پیدا کرنی ہے۔ اور وہ کہ اُن کی گردنیں (غلامی کی زنجیروں میں) جکڑی ہیں (اور انہیں آزاد کرانا ہے)۔ نیز قرضداروں کے لئے (جو قرض کے بوجھ سے دب گئے ہوں، اور ادا کرنے کی طاقت نہ رکھیں) اور اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کے لئے اور ان تمام کاموں کے لئے، جو مثل جہاد کے اعلاء کلمہ حق کے لئے ہوں) اور مسافروں کے لئے (جو اپنے گھر نہ پہنچ سکتے ہوں اور مفلسی کی حالت میں رہ گئے ہوں) یہ اللہ کی طرف سے ٹھہرائی ہوئی بات ہے اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اپنے تمام حکموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

آیت میں مذکور مصارفِ زکوٰۃ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم نے انتہائی اعجاز کے ساتھ اس طبقے کی نشاندہی کردی ہے جسے جدید اصطلاح میں (HAVE NOTS) معاشی بدحال کہا جاتا ہے۔ تاریخی عوامل کے سبب حالات میں جو تغیر و تبدل پیدا ہوتا رہتا ہے، اس کی وجہ سے (HAVE - NOTS) محتاج طبقے کی احتیاج کی شکلیں اور ان کے معیار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، لیکن قرآن حکیم نے اس طبقے کی جن عام اور بنیادی باتوں کا ذکر کیا ہے، وہ ہمیشہ سے ایک اور ہمہ گیر رہی ہیں، وہ ہیں:۔

محتاجی (للفقراء والمسٰکین)

غلامی (فی الرّقاب)

قرض و معاشی بدحالی (الغارمین)

ملکی دفاع (فی سبیل اللہ)

مسافرت کی کلفتیں (وابن السبیل) وغیرہ

قرآن نے اگرچہ دو اور مدوں زکوٰۃ کے کلکٹر اور تالیفِ قلب کا ذکر بھی کیا ہے لیکن یہ وہ مدیں ہیں جن کی حیثیت پہلی چھ مدوں کے متعلقات کی ہے۔ اس لئے اصل اور بنیادی مدیں چھ ہیں۔ اب اگر ان چھ مدوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بنیادی طور پر وہ دو حصوں پر مشتمل ہیں۔ ایک معاشی د

اقتصادی بدحالی کا استیصال اور دوسرے ملکی دفاع۔ گویا مسلمان حکومت پر زکوٰۃ کی وصولی کے بعد اللہ کی طرف سے جو فریضہ عائد ہوتا ہے، اس کی ادائیگی کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہوا کہ ملک سے اقتصادی و معاشی بدحالی کا استیصال کرے اور ملک کی حفاظت کی خاطر انتہائی مضبوط و طاقت ور اور زبردست دفاعی انتظامات کرے، اور حکومت جب تک ملک سے ہر قسم کا افلاس، احتیاج، کسان اور مزدور کو زمیندار اور کارخانہ دار کی غلامی سے آزادی، اور ہر قسم کی معاشی و اقتصادی بدحالی کا استیصال کر کے ہر مسلمان کو ایک باعزت اور خوش حال شہری نہیں بنالیتی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد شدہ فریضۃً من اللہ کی ادائیگی سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتی۔ اور اسلام کے ان دو بنیادی مطالبوں کی تکمیل کے بغیر حکومت جو کچھ بھی کرے، خدا کی طرف سے عائد شدہ ان فرائض کی ادائیگی کا بدل ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ مطالبہ مسلسل اور مستقل طور پر حکومت پر واجب الادا رہے گا کہ معاشی و اقتصادی بدحالی کا استیصال اللہ کی طرف سے فریضہ ہے جسے ابھی تک حکومت نے ادا نہیں کیا۔

قرآن حکیم نے زکوٰۃ کو اتنی اہمیت دی ہے کہ جہاں کہیں اقاموا الصلوٰۃ (نماز کو قائم کرو) کا حکم ہے اس کے ساتھ ہی واٰتوا الزکوٰۃ (زکوٰۃ ادا کرو) کا حکم موجود ہے۔ اور اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ جس تکرار اور اصرار کے ساتھ قرآن میں مذکور ہیں، کوئی دوسرا حکم اس تکرار اور اصرار کے ساتھ موجود نہیں۔ جس کا دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہوا کہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتار زکوٰۃ ہی دراصل اسلام ہے۔ اور یوں پورے قرآن حکیم کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کتاب اللہ کی تعلیمات کا محور دراصل اقامتِ صلوٰۃ اور ایتار زکوٰۃ ہی ہیں۔ ایتار زکوٰۃ (حقوق انسانی کی ادائیگی اور حسن معاملگی) اقامت صلوٰۃ (عباداتِ الٰہی کی ادائیگی) اللہ کی نگاہ میں دونوں ایک ہی درجہ رکھتی ہیں، اور اجر و ثواب اور اہمیت و مقام کے اعتبار سے اقامت صلوٰۃ (عبادات کی ادائیگی) ایتاء زکوٰۃ (معاملاتِ انسانی کی حسن ادائیگی) پر کسی طرح بھی فوقیت نہیں رکھتی، بلکہ قرآن حکیم کی تعلیمات کو مجموعی طور پہ دیکھا جائے تو عباداتِ الٰہی، معاملاتِ انسانی کی حسن ادائیگی کا ذریعہ بتائی گئی ہیں، اور اگر عبادات کی ادائیگی سے انسانی حقوق و فرائض کی حسنِ ادائیگی پیدا نہیں ہوتی تو قرآنی شہادت کے مطابق محض عبادات کی ادائیگی عابد کو جہنم میں لے جانے کے لئے کافی ہوگی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی احادیث مروی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ انسانوں کو چاہیئے

کہ وہ انسانی حقوق و فرائض کا زیادہ خیال رکھیں، اس لئے کہ اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔ ہاں البتہ عبادات میں کوتاہی کو معاف کر سکتا ہے۔ لیکن کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ آج مسلمانوں نے قرآنی تعلیمات کی ترتیب کو بالکل الٹ دیا اور انسانی حقوق و فرائض اور معاملاتِ انسانی کو پرِ کاہ کی حیثیت دیئے بغیر عبادات کی رسمی ادائیگی کو نجات کا واحد ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ حرام و حلال کی پروا کئے بغیر دن رات مال جمع کرتا ہے۔ اور عبادات کی رسمی ادائیگی کو حرام کھانے کا مداوا سمجھ کر ضمیر کی ہلکی سی خلش محسوس کئے بغیر حرام خوری میں مشغول ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ویسے تو ہر مذہب نے اپنے ماننے والوں کو تلقین کی ہے کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کی مدد کریں، لیکن اسلام نے اسے بطورِ خاص کیوں اتنی اہمیت دی، حتیٰ کہ عبادات کی ادائیگی کو بھی معاملات میں حسنِ ادائیگی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ بات یہ ہے کہ فقر و افلاس اور ناداری و محتاجی دراصل انسان کو ذلت و مسکنت کے پست گڑھے میں گرا کر ہی رہتی ہے اور انسان کی انسانیت پر بدنما داغ بن کر اُسے ہمیشہ کسرِ نفسی میں مبتلا رکھتی ہے جس کے نتیجے میں انسان کی تخلیقی قوتیں تباہ ہو جاتی ہیں، اور وہ تخلیق و تعمیر کے جوہر سے عاری ہو کر تقلید و غلامی کی روش اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ قرآن انسان کو اس ذلت و پستی کی حالت میں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ قرآن کی نظر میں انسان کا مقام انتہائی اعلیٰ و ارفع ہے (لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ التین) قرآن، انسان کے اندر خدائی صفات، تخلیق و تعمیر، دیکھنے کا متمنی ہے۔ اور اُسے مسلسل عُلو مرتبت کی طرف پرواز کرتے دیکھنا چاہتا ہے۔ چونکہ مفلسی، محتاجی اور غلامی ایسی لعنتیں ہیں جو انسان کی تخلیقی و تعمیری قوتوں کی تباہی کا سبب بنتی ہیں، اس لئے اسلام نے بطورِ خاص ان کا نوٹس لیا۔

قرآنی تعلیمات کی رو سے جس ملک و معاشرے میں فقر و احتیاج موجود ہو وہ شیطانی معاشرہ ہے اور جس ملک و معاشرے میں خوش حالی و فارغ البالی ہو وہ رحمانی معاشرہ ہے۔ قرآن حکیم نے اس صورتِ حال کو ایک نہایت جامع اور عمدہ انداز میں یوں بیان کیا ہے:۔

الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ

وفضلاً ط۔ (۲۔۲۶۸)

شیطان تمہیں تنگ دستی و مفلسی کا وعدہ دیتا ہے، اور ایسے کاموں کی ترغیب دیتا ہے

جن سے معاملاتِ انسانی میں فساد بپا ہو، اور اللہ تمہیں اپنی طرف سے مزید بخشش اور خوش حالی کا وعدہ دیتا ہے۔

اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ شیطان کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ مالدار طبقے کے دلوں میں فقر و افلاس کا خطرہ پیدا کر کے مفلسی، تنگ دستی، ناداری اور محتاجی معاشرے کے اندر برقرار رکھے۔ قرآن حکیم نے فقر و احتیاج کو برقرار رکھنے کے شیطانی اغراض و مقاصد بھی بیان کر دیئے، وہ یہ کہ مفلس و نادار اور معاشی طور پر محتاج و غلام افراد کو آسانی سے ایسے کاموں پر لگایا جا سکتا ہے جن سے معاشرے میں فساد بپا ہو۔ چوری، ڈاکہ، اغوا، لڑائی جھگڑا، فساد، مایوسی، ناامیدی، سستی، کاہلی اور فحاشی وغیرہ بڑھے (دیأمرکم بالفحشاء) یہی وجہ ہے کہ جس ملک و معاشرے میں جتنی زیادہ مفلسی و ناداری اور فقر و محتاجی ہوگی اتنا ہی زیادہ اس معاشرے میں شیطان کا عمل دخل ہوگا۔ اور اسی اعتبار سے ایک محتاج و فقیر معاشرہ شیطان کا معاشرہ ہے۔ اگرچہ اس ملک و معاشرے کے لوگ کتنے ہی عبادات کے مشتاق کیوں نہ ہوں (فویل المصلین) اور اس کے مقابلے میں وہ ملک و معاشرہ جس میں معاشی خوش حالی ہو وہ رحمانی معاشرہ ہے۔ اس لئے کہ خود خدائے رحمان نے فرمایا ہے:۔ واللہ یعدکم مغفرۃً منه وفضلاً (اللہ تعالیٰ تمہیں، اس کے حکم کے مطابق حقوقِ انسانی ادا کرنے کے عوض اپنی طرف سے بے پایاں بخششیں عطا کرنے اور اقتصادی خوش حالی کا وعدہ دیتا ہے)۔ یہ آیت نہایت واضح الفاظ میں بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فقر و احتیاج کی بجائے مسلمانوں کی خوش حالی زیادہ پسند ہے۔ اور عسرت و تنگ دستی اور فقر و احتیاج کا استیصال کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اسی لئے اس سے پہلے والی آیت میں اسی افلاس و معاشی تباہ حالی کو ختم کرنے کے لئے مومنین کو اپنے مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے:۔

یا یھا الذین امنوا انفقوا من طیّبٰت ما کسبتم وممّا اخرجنا لکم من الارض۔ (۲-۲۶۷)

(مسلمانو! جو کچھ تم نے (محنت مزدوری یا تجارت سے) کمائی کی ہو، اُس میں سے خرچ کرو یا جو کچھ ہم تمہارے لئے زمین میں پیدا کر دیتے ہیں، اُس میں سے نکالو)۔ فقر و احتیاج کا استیصال اور خوشحالی کا قیام وہ معیار ہے جس کے نتیجے میں رحمانی و شیطانی معاشروں کی تمیز کی گئی ہے۔ یعنی جو نظام اللہ کے اس حکم کے تحت اپنے ملک و معاشرے میں دولت کے عدم توازن کو ختم کر کے ایک خوشحال معاشرہ قائم کر لیتا ہے وہ

تو رحمانی نظام کہلائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے۔ ان وعد اللہ حق (۳۵:۵) اور جو نظام شیطان کے حکم کی منشاء کے تحت معاشرے میں مالداروں اور محتاجوں کے طبقات کو دولت کے عدم توازن کے ساتھ برقرار رکھتا ہے وہ شیطانی قرار پائے گا۔

فقر و احتیاج اور غربت و افلاس اسلام کی نظر میں اتنی بُری علّتیں ہیں کہ جو لوگ ان بیماریوں سے ملک و معاشرے کو محفوظ رکھنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود اس سے کوتاہی کرتے ہیں انھیں محض اسی جرم کے ارتکاب کی بنا پر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ سورہ ماعون کے مطابق تو تمام ایسے بناوٹی دین داروں کو (والذین یکذب بالدین) جو دین کو محض نماز وغیرہ کی ادائیگی تک محدود سمجھتے ہیں، اور یتیمی، مسکینی اور غربت و افلاس کو دُور نہیں کرتے، جہنمی قرار دیا گیا ہے۔ سورہ ھمزہ نے ایسے دین داروں کو ان الفاظ میں جہنم کی وعید دی ہے:۔ جہنمی ہیں وہ لوگ جو مال و دولت کو ادھر اُدھر سے سمیٹتے ہیں اور اُسے گن گن کر جمع کرتے جاتے ہیں، اور خیال کرتے ہیں کہ اس طرح کی سمیٹی ہوئی یہ دولت ہمیشہ ان کے پاس رہے گی، دیکھو! ایسا نہیں بلکہ انہیں تو روند ڈالنے والے جہنم میں پھینکا جائے گا، اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ روند ڈالنے والا جہنم کتنا دردناک ہے، وہ تو دراصل ایک دہکتا سُلگتا جہنم ہے جس کی آگ کو خود اللہ تعالیٰ نے (ایسے سرمایہ داروں کے لئے) سُلگا رکھا ہے۔ یہ آگ سرمایہ داروں کے ارادوں کو ان کے دلوں میں جھانک کر معلوم کر سکتی ہے، جو اُنھوں نے غربت و افلاس کو باقی رکھنے کے لئے دولت کے جمع و احتکار کی خاطر دلوں میں چھپا رکھے ہیں۔ فقر و احتیاج کی موجودگی میں سرمایہ دار مجرمین کو اس دہکتی آگ کے جہنم میں ڈال کر اس کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور سرمایہ دار مجرمین کے لئے نکلنے کے لئے کوئی راستہ کھُلا نہیں چھوڑا جائے گا، اور وہ آگ کے شعلوں کے لمبے لمبے ستونوں کے درمیان جکڑ دیئے جائیں گے:۔

ویل لکل ھمزۃ لمزۃ ہ الذی جمع مالاً وعددہ ہ یحسب ان مالہ اخلدہ ہ کلا لینبذن فی الحطمۃ ہ وما ادرٰلک ما الحطمۃ ہ نار اللہ الموقدۃ ہ التی تطلع علی الافئدۃ ہ انہا علیہم موصدۃ ہ فی عمد ممددۃ ہ

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو (اور) طعنہ دینے والا ہو جو (بغایت حرص سے) مال جمع کرتا ہو اور (بغایت حب و فرح سے) اس کو بار بار گنتا ہو۔ وہ خیال کر

رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا۔ ہرگز نہیں رہے گا۔ واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جاوے گا جس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ پھوڑ دے اور آپ کو (اے رسولؐ) کچھ معلوم ہے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے؟ (جو اللہ کے حکم سے سلگائی گئی ہے جو کہ بدن کو لگتے ہی) دلوں تک جا پہنچے گی (اور) وہ (آگ) اُن پر بند کر دی جاوے گی (اس طرح کہ وہ لوگ آگ کے) بڑے لمبے لمبے ستونوں میں (گھرے ہوں گے)۔

قرآن حکیم کی تعلیمات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو جرم جنہیں، خدائی حکومت میں انتہائی غداری اور سب سے بڑی بغاوت قرار دیا گیا ہے۔ وہ شرک اور غربت و افلاس کی موجودگی میں سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ شرک اللہ تعالیٰ کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا ہے اور غربت و افلاس کی موجودگی میں جمع و احتکار دولت، بنی نوع انسان کے حقوق کو غصب کرنا ہے۔ شرک کے ناقابل معافی جرم ہونے کے سلسلے میں تو قرآن حکیم شروع سے آخر تک گواہ ہے۔ اسی طرح ایسے مال دار اور سرمایہ دار جو غربت و افلاس کی موجودگی میں جمع و احتکار دولت میں مصروف ہوں، قرآن نے انہیں ان الفاظ میں عذاب جہنم کی بشارت دی ہے۔

یاایہا الذین اٰمنوا انّ کثیراً من الاحبار والرہبان لیاکلون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل اللہ ط والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولاینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرہم بعذابٍ الیم ۝ یوم یحمیٰ علیہا فی نار جہنم فتکوٰی بہا جباہہم وجنوبہم وظہورہم ط ہٰذا ماکنزتم لانفسکم فذوقوا ماکنتم تکنزون (۹ : ۳۴، ۳۵)

(اے ایمان والو! اکثر احبار اور رہبان لوگوں کے مال نامشروع طریقہ سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے ہیں اور (غایتِ حرص سے) جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اُن کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ اُن کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سُنا دیجئے)

قرآن حکیم کی نظر میں شرک اور فقر و احتیاج کی موجودگی میں سرمایہ داری، دونوں خدائی مملکت کے خلاف غداری اور بغاوت کے مترادف ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے علاوہ ہر جرم کو معاف کر دینے کا حق محفوظ رکھا ہے، لیکن ان دونوں یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے مرتکب کو ناقابلِ معافی جرم قرار دیا ہے اور دونوں کی سزا (CAPITAL PUNISHMENT) یہ رکھی ہے کہ وہ ابدالآباد تک جہنم میں سلگتے رہیں (خالدین فیہا ابداً)۔

چنانچہ جرم و سزا کی اس زبردست وعید کی بنا پر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، عمل خلفاء راشدین اور علماء و صلحاء امت نے اسلام کے اس پہلو کو بطور خاص اہمیت دے کر مسلم معاشرے میں افلاس اور فقر و احتیاج کے استیصال کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، لیکن اب سوال یہ ہے کہ ہمارا ماضی، ہمارے موجودہ مسائل کو حل کرنے میں ہماری کس طرح مدد کر سکتا ہے؟ اور پھر اس سوال کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ماضی کی کس چیز سے ہمیں رہنمائی حاصل کرنا ہے۔ ماضی کے معاشرتی و معاشی حالات سے یا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے۔ جب تک موجودہ دور کے مسلمان اس آخری پہلو کا پوری طرح تجزیہ کر کے کسی قطعی فیصلے پر نہیں پہنچتے کسی بھی معاشی مسئلے کا حل ناممکن ہے۔ ہمارے خیال میں وہ چیز جو غیر متبدل اور ابدی رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتی ہے، وہ ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ رہ گئے وہ حالات، جن میں قرآنی تعلیمات کا نزول ہوا اور جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تعلیمات کو نافذ کیا، تو وہ تغیر پذیر تھے، خود حیاتِ مبارکہ کے ۲۳ سالوں میں وہ بہت حد تک بدلے اور مسلسل تبدیل ہو رہے ہیں، اس لئے یہ خیال کرنا کہ معاشرت و تمدن اور اقتصادیات و معاشیات میں ساتویں صدی عیسوی کے بعد سے اب تک کوئی تبدیلی نہیں آئی، نہ صرف یہ کہ عقل و خرد، تجربات و مشاہدات اور تاریخی واقعات کا منہ چڑانا ہے بلکہ قرآنی تعلیمات کی بھی کھلم کھلا توہین اور تضحیک کرنا ہے، اس لئے کہ قرآن حکیم نے خود بیشتر آیات میں قوموں کے عروج و زوال اور حالات و واقعات کے اندر تغیر و تبدل کے اسباب و علل بیان کرتے ہوئے بتایا کہ کس طرح معاشرے نے ان رہنما اصولوں کو پس پشت ڈالا اور اس کے نتیجے میں کس قسم کے معاشرتی و معاشی و سیاسی حالات سے دوچار ہوا (تلك الايام نداولها بين الناس) لہذا ماضی سے ہمیں صرف خدا اور اس کے رسولؐ کی تعلیمات میں ہی رہنمائی مل سکتی ہے۔ نہ کہ اُن حالات کو دوبارہ پیدا کرنے کا خواب دیکھنے سے۔ کسی وقت کے تاریخی حالات، کسی دوسرے وقت میں بعینہٖ دُہرائے نہیں جا سکتے، لیکن اللہ اور اس کے رسول صلعم کی تعلیمات حالات سے بالاتر ہیں۔ اس لئے ان کا نفاذ ہر حال میں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حالات میں تغیر و تبدل کی وجہ سے فقر و احتیاج اور مفلسی و تنگدستی کے معیار بھی بدلتے رہتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے انسان کی یہ حالتیں اضافی ہیں۔ اس پس منظر کی روشنی میں ہمیں اپنے موجودہ معاشی مسائل کا حل ڈھونڈنا ہے۔

اس وقت جب ہم اپنے معاشرے کا تجزیہ کرتے ہیں۔ تو قرآن حکیم کی بیان کردہ فقر و احتیاج ہمارے معاشرے میں ان صورتوں میں نظر آتی ہے:- بیکاری[1]، معاشی غلامی[2]، جہالت[3]، بیماری[4]۔ چنانچہ یہ وہ چار بیماریاں ہیں

جو اس وقت ہمارے ملک و معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں، اور یہی فقر و احتیاج کی وہ موجودہ صورتیں ہیں جو خدا اور رسولؐ کو شرک کی طرح انتہائی مکروہ اور ناپسندیدہ ہیں، اور جب تک ان کا ملک و معاشرے سے مکمل طور پر انسداد نہ ہو جائے اور جب تک انہیں پاکستان کی سرزمین سے پوری طرح بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پاک وصاف نہ کر دیا جائے خدا اور رسول صلعم ہم پر راضی نہ ہوں گے اور ناراضگی کے نتیجے میں ہم اس وقت تک ان کے عذاب اور عتاب میں مبتلا رہیں گے جب تک کہ ہم ان انتہائی مضرت رساں، تکلیف دہ اور سڑی ہوئی متعفن بیماریوں کے وجود سے اپنے ملک عزیز کو پوری طرح نجات نہیں دلا دیتے۔ خداوند قدوس کبھی ایسی قوم سے راضی نہیں ہوتے جو دائمی اور تباہ کن بیماریوں میں مبتلا ہو اور وہ اپنے آپ کو تندرست سمجھے۔ بیماریاں اس کی تمام تخلیقی و تعمیری صلاحیتیں بے کار کرنے میں مسلسل مصروف ہوں اور وہ ان کا شعور بھی نہ رکھے، اللہ اور اس کا رسولؐ ایسی قوم سے کیسے محبت کر سکتے ہیں جو ان تباہ کن بیماریوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مجتہدانہ طرز فکر کھو چکی ہو، جو عزت نفس جیسے اعلیٰ جوہر سے عاری ہو کر کسر نفس جیسے مہلک مرض کا شکار ہو گئی ہو جسے تعمیر و ترقی کی طرف قدم اٹھانے کی بجائے رجعت پسندی اور تقلید و غلامی زیادہ پسند ہو۔ قرآن حکیم کی تعلیمات گواہ ہیں کہ یہ سب تباہ کن بیماریاں نتیجہ ہوتی ہیں، اس معاشی غلامی کا جو عقل و فکر اور تدبر و تفکر کی صلاحیتوں کو تباہ کر کے ان بیماریوں کے لئے راستہ صاف کرتی ہے اور پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے کر اس کی تعمیر و ترقی اور تخلیقی و اخلاقی قوتوں کو بے کار کر کے اسے بالکل اپاہج بنا کر دوسری اقوام کے آگے ایک لاچار، نڈھال اور بے یار و مددگار پرندے کی طرح ڈال دیتی ہے۔ اور اب اس قوم کی اخلاقی و تخلیقی قوتوں کی موت و حیات کا فیصلہ ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہ جس حد تک چاہتی ہیں اسے زندگی عطا کرتی ہیں، اور جس حد تک چاہتی ہیں اس سے زندگی چھین کر موت کی طرف لوٹا دیتی ہیں، اور یہ مجبور و مقہور قوم اپنی اخلاقی و تعمیری قوتیں ان سے مانگتے مانگتے بھیک اور گدائی کو اپنا شیوہ حیات بنا لیتی ہے۔ اب آئیے ذرا غور کریں کہ ہم نظام زکوٰۃ کے ذریعے ان بیماریوں کی کیسے روک تھام کر سکتے ہیں، اور ان کے بچاؤ کے کیسے طریقے استعمال میں لا کر اپنے آپ کو ان سے بچا سکتے ہیں (مسلسل)